قومی سلامتی "سلامت" کیسے رہ سکتی ہے؟

تحریر: سہیل احمد لون

دسمبر 2006ء کی شدید برف باری کے دوران میں جرمنی کے ایک چھوٹے سے شہر شوٹن (Schotten) سے گریبن ہائن (Grebenhain) جو سردیوں کی کھیلوں (winter sports) کے حوالے خاص مقام رکھتا ہے کی طرف بذریعہ کار رواں دواں تھا کہ راستے میں ایک جگہ پولیس کی گاڑیاں اور ایمبولینس کھڑی ہونے کی وجہ سے ایک طرف کا راستہ بند تھا۔ کچھ پولیس والے ٹریفک کنٹرول کر رہے تھے۔ میں جب اس جگہ کے پاس سے گزرا تو نیچے گہری کھائی میں ایک کار الٹی ہوئی دکھائی دی۔ ریسکیو والے مخصوص یونیفارم پہن کر کھائی میں اتر رہے تھے۔ شدید برف کی وجہ سے سارا پہاڑی علاقہ سفید تھا اور سردی بھی عروج پر تھی۔ کچھ دیر بعد ریڈیو پر ٹریفک اپ ڈیٹس میں اس ایکسیڈنٹ کی وجہ سے سڑک عارضی طور پر بند کر کے متبادل راستے کا اعلان کیا گیا تا کہ ریسکیو ٹیمیں اپنا کام آسانی سے کر سکیں۔ چند گھنٹوں بعد ریڈیو پر نیوز اپ ڈیٹ ہوئی کہ ریسکیو کی ٹیم نے اس کار سے ایک جرمن عورت اور ایک 3 سالہ بچے کی لاش نکال لی ہے۔ کار میں بچوں والی 2 سیٹیں موجود تھیں۔ دوسری سیٹ پر کوئی بچہ موجود نہ تھا۔ اس عورت کو شناخت کرنے کے بعد پتہ چلا کہ وہ اپنے خاوند اور 2 بچوں کے ہمراہ اسی علاقے کی رہائشی تھی۔ خاوند گھر نیم مردہ حالت میں پایا گیا جبکہ ایک پانچ سالہ بچہ نہ گھر ملا اور نہ ہی کار سے برآمد ہو سکا۔ اندھیرے اور مزید خراب موسم کی وجہ سے رات کو بچہ ڈھونڈنے کا عمل روک دیا گیا۔ اگلے دن بھرپور طریقے سے یہ عمل دوبارہ شروع کیا گیا۔ اس کارروائی کی لمحہ بہ لمحہ ریڈیو پر رپورٹنگ ہو رہی تھی۔ علاقے کا میئر بھی جائے وقوع پر سارا دن موجود رہا اور میڈیا بھی۔ شام کو پولیس کے کتوں کی مدد سے بچے کی لاش قریب کے ایک قصبے گیدرن (Gedern) کی ایک جھیل سے ملی۔ تفتیش کے بعد پتہ چلا کہ عورت نے بچوں اور خاوند کو نیند کی دوا کھلائی۔ بڑے بچے کو جھیل میں پھینک دیا اور چھوٹے بچے کے ساتھ کار کو پہاڑی سے نیچے گرا کر خودکشی کر لی۔ پانچ سال کے ایک معصوم کی جان بچانے یا لاش ڈھونڈنے کے لیے 34 گھنٹوں میں حکومت نے سینکڑوں پولیس والوں اور امدادی ٹیموں پر لاکھوں یورو خرچ ڈالے۔ اپریل 2010ء میں برطانوی وزیراعظم گورڈن براؤن کو ایک بوڑھی پنشنر عورت کو (Bigoted woman) متعصب عورت کہنے پر ساری قوم کے سامنے اس عورت سے معافی مانگنا پڑی۔ اکتوبر 2010ء میں برطانیہ میں ایک 45 سالہ خاتون جو بینک میں ملازمہ تھی ۔ اپنی بلی کو کوڑے دان میں پھینکتے ہوئے سی سی ٹی وی کی نظر میں آ گئی۔ بلی کے ساتھ ساری قوم کی یکجہتی اور ہمدردی دیکھ کر مس بیل Bale کے خلاف فوری قانونی چارہ جوئی کی گئی۔ با قاعدہ مقدمہ چلا اور سزا سنائی گئی۔ اپنے ملکوں میں انسانی حقوق کی پاسداری کرنے والے یہ لوگ خصوصاً بچے، بوڑھوں اور جانوروں کے معاملے میں کچھ زیادہ ہی سنجیدہ ہوتے ہیں۔ اپنے سفارت خانے پر حملہ ہونے ...... یا کروا کر...... اپنے شہریوں کو وہاں سے واپس بلانا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے ہر شہری کی جان و مال، عزت و ناموس کی حفاظت کرنا اپنا مقدس فریضہ سمجھتے ہیں۔ انسانیت کا پاٹ پڑھانے اور پڑھنے والے یہ 'مغربی عالم'' دوہرے

معیار کا ایسا چشمہ لگا کر دیکھتے ہیں کہ انھیں کچھ ملکوں میں بسنے والے انسان یا حیوان بھی نہیں بلکہ کسی دوسرے سیارے کی مخلوق دکھائی دیتی ہے۔ 32 ممالک کی نیٹو فورس جدید ہتھیاروں سے لیس ہو کر بارودی دھوئیں سے ان ''بھوتوں'' کو بھسم کرنے کے لیے حملہ آور ہوتی رہتی ہے۔قابل غور امر یہ ہے کہ اگر جناتی مخلوق میں سے کوئی ان کے دیس میں آ کر "بسیرا" کر لے تو پھر ان کو بھی مکمل انسانی حقوق سے نوازہ جاتا ہے۔جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس خطے میں بسنے والوں سے زیادہ اس خطے کے جغرافیے اور وسائل کی اہمیت ہے...... ورنہ ان کو اس خطے والوں سے کوئی لینا دینا نہیں۔صاف دکھائی دے رہا ہے کہ اس خطے میں جو کچھ ہو رہا ہے ایسا کرنے کا موقع فراہم کیا گیا ہے۔ وطن عزیز پاکستان کی سالمیت اور خود مختاری کو خارجی قوتوں سے زیادہ اندرونی مخفی طاقتوں سے زیادہ خطرہ لاحق ہے۔جو بیرونی طاقتوں کی آلہ کار بن کر ان کے لیے راستہ ہموار کرتی ہیں۔اگر کوئی وبائی مرض پھیلا ہو تو اس سے بچنے کے لیے حفاظتی تدابیر کی جاتی ہیں۔جسم یا جلد پر ان کا اثر ہو بھی جائے تو فوری طبیب سے رجوع کر کے اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے مگر اپنے جسم کے اندر ہی اگر "ناسور" بننا شروع ہو جائے تو تشخیص میں دیر چاہے غفلت، لاپرواہی یا ضرورت سے زیادہ اعتماد کے نتیجے میں ہو "جان لیوا" ثابت ہوتی ہے۔لہذا صحت مند جسم کے لیے ضروری ہے کہ اسے اندرونی بیماریوں سے بھی پاک رکھا جائے۔اگر کسی بیماری کا پتہ چل جائے تو اس کا بلا تاخیر علاج کیا جائے۔ورنہ یہ "ناسور" بن کر سارے جسم کو اپاہج کرنے کا موجب بن سکتی ہیں۔جسم کو اپاہج ہونے یا جان بچانے کی خاطر بعض اوقات جسم کے متاثرہ حصے کو کاٹنا بھی پڑ جاتا ہے۔جب جسم کو ایسی خطرناک اندرونی بیماریاں لاحق ہو جائیں تو کمزوری کے باعث قوت مدافعت یا دفاعی نظام بھی بری طرح متاثر ہو کر کمزور ہونا شروع ہو جاتا ہے۔جس سے بیرونی وباؤں کے حملوں میں بھی شدت آ جاتی ہے۔موجودہ صورت حال میں ہمیں ایسے سرجن کی ضرورت ہے جو ان "ناسوروں" کو جڑ سے کاٹ کر باہر پھینک دے اور جلد شفا یاب کرنے کے لیے "ایمانی ٹانک" بھی پلائے۔دین اسلام میں "جہاد" ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض قرار دیا گیا ہے مگر اس میں "جہاد اکبر" کرنے کی زیادہ تلقین کی گئی ہے یعنی اپنے آپ سے...... اپنے نفس سے جہاد۔اس کے برعکس بیرونی جارحیت کا جواب دینا "جہاد اصغر" کہا گیا ہے۔اگر ہم "جہاد اکبر" کرنے والے اصلی جہادی بن جائیں تو ہم اتنے مضبوط ہو جائیں گے کہ خارجی قوتیں کوئی ایسا قدم اٹھانے کی جرات ہی نہیں کریں گی کہ ہمیں "جہاد اصغر" کرنا پڑے۔ورنہ موجودہ حالات بھی آپ کے سامنے ہیں اور آنے والے دنوں کا بھی کوئی نا کوئی نقشہ آپ کے ذہنوں میں محفوظ ہو گا۔اکیسویں صدی کے اس اہم ترین موڑ پر انسانی حقوق کے دعوی دار ایک طرف تو جانوروں کی دیکھ بھال کر رہے ہیں یا اُن کے حقوق کے تحفظ کیلئے سرگرم عمل ہو جاتے ہیں لیکن دوسری طرف اُن کی اخلاقی پستی کی یہ حالات ہے کہ اقوام متحدہ کے تسلیم شدہ انسانی بنیادی حقوق کی دھجیاں اڑانے میں لمحہ بھر کی تاخیر نہیں کرتے۔عالمی طاقت کے شعبدہ بار ایک طرف معاہدے کرتے ہیں تو دوسری طرف خود ہی اُن کی پاسداری سے بھاگ جاتے ہیں۔حقیقت تو یہ ہے کہ طاقتور کا کمزور سے کوئی معاہدہ ہوتا ہی نہیں بلکہ کمزور مصلحت کا شکار ہو کر ہر معاہدے کو مان لیتا ہے اور اُس پر اتنی دیر تک قائم رہتا ہے جب تک وہ خود طاقتور نہیں ہو جاتا۔ہم اگر چاہتے ہیں کہ ہمیں دنیا میں وہی مقام ملے جس کے ہم اپنے آپ کو مستحق خیال کرتے ہیں تو ہمیں بہت زیادہ طاقتور ہونے کی ضرورت ہے اور طاقت ہمیشہ اندرونی ہوتی ہے کیونکہ اندرونی تصویر ہی بیرونی دنیا کے پاس جاتی ہے جس کے بعد آپ کے معاشرتی مقام کا تعین کیا

جاتا ہے۔یہی آپ کی قومی سلامتی کی ضمانت ہےاور یہی آپ کے قوم وجود کی اہمیت کا تعین کرے گی۔ورنہ یہ تو طے شدہ ہے کہ جن کے ساتھ ہم معاہدے بھی کرتے ہیں اور پھر وہ ہمارے ملک میں دہشتگردی سے لے کر فضائی حملوں تک ہر معاملے میں پیش پیش رہتے ہیں ۔اُن کے نزدیک اُن کے وطن کے جانور بھی ہم سے زیادہ حقوق رکھتے ہیں۔قومی سلامتی کا تو اُسی وقت سوچا جائے گا جب ہم ایک قوم کی حثیت سے ابھر کر اقوام عالم کے سامنے آئیں گے۔بے ہنگم ہجوم ،صوبہ پرستی کی لعنت میں غرقاب ،لبریشن آرمیوں کا قیام ،سندھ اور پنجاب کارڈز کا استعمال ،صوبوں کے درمیان وسائل کی نامنصفانہ تقسیم یہ سب کیا ایک قوم ہونے کی نشانیاں ہے یا متحارب اور متصادم گروہوں کی ۔جس دن ہم ایک قوم بن کر عالمی برداری کو پیغام دینے میں کامیاب ہو گئے اُس دن کے بعد کوئی بیرونی ہاتھ پاکستان میں مداخلت نہیں کرے گا ،کوئی نیٹو پاکستان کی افواج پر حملہ آور نہیں ہو گی ،کوئی لیاقت علی خان ،ذوالفقار علی بھٹو اور بے نظیر شہید نہیں کیے جائیں گے ،کوئی فوج بغاوت نہیں کرئے گی اور کوئی سورما ہمیں پتھر کے عہد میں پہنچانے کی بات نہیں کرے گا۔قوم سلامتی تو اُسی وقت ممکن ہے جب ہم ایک قوم ہو کر اپنی سلامتی کی حفاظت کریں گے۔محرم کے مقدس مہینے میں بھی اگر ہم نے حق گوئی سے کام نہیں لینا تو سارا سال ہماری حالت کیا ہو گی ۔نا جانے کیوں ہم حق گوئی کرتی ہوئے جرات سے کام نہیں لیتے حالانکہ حق گوئی ہی واحد رستہ ہے جس پر سفر کرتی ہوئے ہم ایک قوم بھی بن سکتے ہیں اور اپنی قومی سلامتی کی حفاظت بھی کر سکتے ہیں لیکن یہاں تو ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ دوسرا شخص تو حق وصداقت میں یکتا ہونا چاہیے لیکن خود وہ سچ اور حق گوئی سے اجتناب برتنے میں ہی عافیت سمجھتا ہے۔جب ہم قوم بننے کیلئے حق گوئی سے کام نہیں لے رہے تو پھر کسی اور قوم کیلئے ہماری اخلاقیات کیا ہوں گی اس کا انداہ ہم موجودہ ملکی صورت حال دیکھ کر ہی لگا سکتے ہیں۔کربلا کا درس کسی فرد یا کسی حاص گروہ سے منسوب نہیں ہے یہ تو سب کیلئے ہے اور بقول شاعر

کس نے کہا ہے یہ کہ ہماری ہے کربلا

حق بات تم کہو تو تمہاری ہے کربلا

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے